سوال

حدیث کے صحت وضعف میں اختلاف

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحت وضعف حدیث میں جب محدثین کا اختلاف ہو تو ترجیح صحاح ستہ محدثین کے قول کو دینا باصول محدثین متاخرین کے قول پر صحیح ہے یا نہیں ؟ اوراس پر محدثین کا کلیہ قاعدہ کیا ہے ؟ کیونکہ ہر ایک مذہب والا اپنی مستند روایت کو صحیح ثابت کرنے کےلیے کسی نہ کسی محدث کی تصحیح وتوثیق کو ذکر کرتا ہے ۔ جس سے طبیعت میں الجھن پیدا ہوتی ہے ۔ جزاکم اللہ خیرا

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علىٰ رسول اللہ، أما بعد!

آپ کے سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں :

1۔ شرح نخبہ میں ہے :

''الجرح مقدم علی التعدیل ان صدر مبینا من عارف باسبابہ فان خلاالمجروح قبل الجرح مجملا علی المختار،، (شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

یعنی جرح تعدیل پر مقدم ہے ۔ بشرطیکہ اس کی وجہ بیان کی جائے ۔ اورجرح کرنے والااس میں پورا ماہر ہو۔ اگرراوی مجروح کی کسی نے تعدیل نہ کی ہو توپھر مختار مذہب یہ ہے کہ جرح مبہم بھی قبول کی جائے گی ۔

اس عبارت میں آپ کے سوال کا جواب ہے کہ اختلاف کے موقعہ پر ماہر فن کا قول اس بارہ میں معتبر ہے مگر مبہم نہیں ۔ بلکہ اس کے ساتھ ضعف کی وجہ بھی بیان کرے ۔ ہاں اگر اختلاف نہ ہو توپھر وجہ بیان کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں ماہر فن کا قول معتبر ہو گا گویا اختلاف نہ ہونے کے وقت صرف ایک شرط ہے کہ اس فن میں پوری مہارت رکھتا ہو اوراختلاف کے وقت دو شرطیں ہیں ۔ پوری مہارت اوروجہ ضعف کا بیان ۔ جب پوری مہارت شرط ہوئی تو جتنا کوئی زیادہ ماہر ہو گا اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابل قبول ہو گا ۔ خواہ وہ اصحاب ستہ سے نہ ہو۔ جیسے امام احمدؒ، علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید قطان اوران کے مثل ۔ یہ اصحاب ستہ نہیں ، مگر اصحاب ستہ خود ان کے قول پر اعتماد رکھتے ہیں ۔ جو لوگ اصحاب ستہ کو ان بزرگوں پر ترجیح دیتے ہیں ۔ وہ جادئہ مستقیم پر نہیں ۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اصحاب ستہ ان کے خوشہ چین ہیں ایک امام بخاریؒ ان کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں ۔ باقی سب ان سے نیچے ہیں ۔''

ایک بات یہاں یہ بھی یادرکھنے کے لائق ہے ۔ کہ فن حدیث کی بناء چونکہ رائے قیاس پر نہیں بلکہ واقعات پر ہے ۔ اس لیے اس فن کے ماہروں میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں ہوتا یہی وجہ

ہے کہ امام ذہبیؒ کہتے ہیں۔

''لم یجتمع اثنان من علماء ہذاالشان علی توثیق ضعیف ولاعلی تضعیف ثقۃ،، (شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

''یعنی دو محدث بھی کسی ضعیف راوی کی توثیق پر اور ثقہ راوی کی تضعیف پر جمع نہیں ہوئے۔''

جب دو محدث بھی ضعیف کے ثقہ اور ثقہ کے ضعیف کہنے پر متفق نہیں ہوئے تو اختلاف کا دائرہ بہت محدود ہوگیا۔ایسی حالت میں جس کو خدا نے تھوڑی بہت علمی قابلیت عنایت کی ہو اور اس کی نیت میں اخلاص اور طبیعت میں انصاف ہو تو اس کے لیے یہ معمولی اختلاف کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتا۔ اول تو وہ خود ہی فریقین کے کلام سے راجح مرجوح معلوم کرلے گا ورنہ اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کرے گا۔ اصحاب ستہ کو اس بارہ میں معیار مقرر کرنا اور ہر اختلاف کے موقعہ پر انہی کے قول کو ترجیح دینا یہ اسی تقلیدی جمود سے مشابہت ہے جو مقلدین ائمہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً حنفیہ نے اپنے مذہب کی بناء زیادہ تر تین اصحاب (امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین) پر رکھی ہے۔ اب جو صرف چھ کو مانے اور ان کے برابر یا ان سے بڑوں کی پرواہ نہ کرے وہ انہی سے مشابہت کنندہ ہوا یا نہ؟ یہی وجہ ہے کہ اصول حدیث میں اصحاب ستہ کو دیگر امامان حدیث پر کوئی ترجیح نہیں دی۔ بلکہ اصول حدیث میں ان کے خلاف موجود ہے۔ دیکھیے! اصحاب ستہ میں امام بخاریؒ سب سے اول نمبر ہیں۔ ان کا دوسرے اماموں کے ساتھ اصح الاسانید میں اختلاف ہے یعنی اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اسناد کونسی ہے امام اسحٰق بن راہویہؒ کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ صحیح زھری عن سالم عن ابیہ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ اور امام عمرو بن علی فلاسؒ کہتے ہیں۔ محمد بن سیرین عن عبیدۃ عن علی رضی اللہ عنہم ہے اور امام بخاریؒ کے استاذ امام علی بن مدینیؒ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ اور بعض دیگر محدثینؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ پھر بعض نے کہا ہے کہ یہ اصح الاسانید اس وقت بنے گی جب کہ محمد بن سیرینؒ سے ایوب سختیانیؒ روایت کریں۔ اور بعض نے کہا ہے ابن عونؒ روایت کریں۔ اور امام یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ اصح الاسانید اَعمش عن ابراھیم عن علقمۃ من عبداللہ ہے اور امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ کہتے ہیں کہ اصح الاسانید زھری عن علی ابن الحسین عن ابیہ عن علی ہے اور امام بخاریؒ کہتے ہیں۔ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہم ہے۔ اور امام ابو منصور عبدالقادر بن طاہر تیمی اسی پر بناء رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر اسناد شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر مقدمہ ابن الصلاح کے ص 7 میں اس اختلاف کو اضطراب کہا ہے اور اضطراب وہ اختلاف ہے جس میں کسی جانب کو ترجیح نہیں ہوتی۔ اور حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں اس کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''والمعتمد عدم الاطلاق لترجمۃ معینۃ منہا،،

(شرح نخبہ بحث خبر صحیح)

یعنی قابل اعتماد بات یہ ہے کہ (بوجہ اختلاف ائمہ حدیث) ان اسانید سے کسی کو معین کرکے اصح الاسانید نہیں کہہ سکتے۔

خیال فرمائیں کہ امام بخاریؒ کا اس بارے میں کوئی خاص لحاظ نہیں کیا گیا۔ اگر اصحاب ستہ کے قول کو ترجیح ہوتی تو اول نمبر اس میں امام بخاریؒ تھے۔ جب ان کے قول کو ترجیح نہ ہوئی تو باقی کو بطریق اولیٰ نہ ہوئی۔ پس اصحاب ستہ کو اس بارے میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ جتنا کوئی اس فن میں زیادہ ماہر ہوگا اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابل اعتماد ہوگا۔ ہاں اصحاب ستہ کو ایک اور درجہ سے ترجیح ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ ان کی چھ کتابیں دوسری کتب پر ترجیح رکھتی ہیں۔ یعنی ان چھ کتب کی احادیث بلحاظ صحت دیگر کتب پر مقدم ہیں۔ مثلاً جیسے بخاری کی احادیث مسلم کی احادیث پر اور مسلم کی ترمذی وغیرہ پر مقدم ہیں۔ اسی طرح ترمذی وغیرہ کی صحیح احادیث دیگر کتب پر مقدم ہیں۔ اگر تعارض کے وقت موافقت نہ ہوسکے تو ان کے مقابلہ میں دیگر کتب کی احادیث متروک العمل ہوں گی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتب کثرت مداول اور علماء امت میں عام قبولیت کی وجہ سے غلطی سے مامون و مضمون ہیں۔ نہ کسی کو ان میں وسعت اندازی کی گنجائش ہے۔ قریب قریب ایسی ہیں جیسے قرآن مجید حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ گویا ان کی احادیث کو محدثین کے ہاں خوب چھان بین ہوچکی ہے اس لیے ان کی صحیح احادیث دوسری کتب کی صحیح احادیث پر مقدم ہوں گی۔ ہاں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسری کتب کی کوئی حدیث دیگر قرائن کی وجہ سے صحت میں بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً کئی صحیح سندوں سے مروی ہو یا ایسی اسناد سے مروی ہو جس کو کسی بڑے محدث نے اصح الاسانید کہا ہے اور ان چھ کتابوں کی حدیث میں یہ بات نہ ہو یا کسی اور وجہ سے ترجیح ہو تو ایسی حالت میں دوسری کتب کی حدیث مقدم ہوگی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں صحیح حدیث کے درجات بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ ایسے موقعہ پر مسلم کی احادیث بخاری کی

احادیث پر اور بخاری مسلم کی احادیث پر دیگر کتب کی احادیث مقدم ہوں گی۔ ٹھیک اسی طرح ترمذی ابوداؤد وغیرہ کو سمجھ لینا چاہیے۔ غرض دیگر وجوہ سے ترجیح ہو جائے تو دوسری کتب کی احادیث مقدم ہو سکتی ہیں ورنہ اصل یہی ہے کہ ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہو۔ لیکن ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب ان اصحاب ستہ کی دوسری کتب کو یا ان کی ہر ایک بات کو ترجیح ہو۔ کیونکہ چھ کتب کی ترجیح کی وجہ کثرت تداول اور علماء امت میں عام قبولیت اور غلطی سے مامون و مصئون ہونا ہے۔ لیکن ان کی دوسری کتب میں یہ بات نہیں نہ ان کی ذات کو بلحاظ تبحر علمی کے دوسرے تمام ائمہ حدیث پر ترجیح ہے۔ بلکہ کئی اور ان سے بڑھ کر ہیں یا ان کے برابر ہیں۔ چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ایک بات یہاں پر یہ بھی یاد رکھنی چاہیے کہ فن حدیث چونکہ واقعات پر مبنی ہے اور محض نقل کی قسم سے ہے اس لیے زیادہ ماہر اس میں وہی ہو سکتا ہے جو قرب کے زمانہ میں ہو اور رائے قیاس کو اس میں دخل نہ دے۔ اگر ان دونوں شرطوں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کی مہارت بھی کالعدم ہو گی یا کم ہو گی۔ مثلاً ایک راوی کے حالات جیسے اس کے ہمعصر علماء کو یا اس کے قرب والوں کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ان کے مقابلہ میں ہماری مہارت کا کچھ اعتبار نہیں ہو گا۔ اسی طرح ایک شخص واقعات اور حالات فراہم کرنے کے لیے اپنی زندگی کچھ یا ساری وقف کر دیتا ہے اور ایک شخص گھر بیٹھا ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ پر اور ایک حالت کو دوسری حالت پر قیاس کر کے نتائج اخذ کرتا ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلے کے مقابلہ میں دوسرے کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ مثلاً محدثین کا اصول ہے کہ مرسل حدیث حجت نہیں خاص کر متصل کے مقابلہ میں۔ کیونکہ مرسل حدیث وہ ہے کہ تابعی کہے رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا۔ اور درمیان میں صحابی کا نام نہ لے اور واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ بہت دفعہ تابعی صحابی سے روایت نہیں کرتا بلکہ دوسرے تابعی سے کرتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں مرسل کی بحث میں لکھا ہے کہ تفتیش حالات سے معلوم ہوا ہے کہ ایک تابعی دوسرے سے وہ تیسرے سے وہ چوتھے سے اس طرح سات تک روایت پائی گئی ہے اور تابعی سارے کے سارے ثقہ نہیں بلکہ ان میں بہت ضعف بھی ہیں۔ اس لیے مرسل حجت نہیں۔ ہاں اگر تابعی کے حالات سے معلوم ہو جائے کہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتا ہے۔ جیسے سعید بن مسیبؒ تو ایسے تابعی کی روایت کو امام شافعیؒ وغیرہ معتبر کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو معتبر نہیں۔ جیسے زہری وغیرہ کی روایت۔ غرض یہ اصول تو جیسا کچھ ہے واقعات اور حالات پر مبنی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں حنفیہ کا اصول ہے کہ تابعی تو کجا تبع تابعی اگر قال رسول اللہ وغیرہ کہہ دے (جس کو محدثین کی اصطلاح میں مقطوع کہتے ہیں) تو وہ بھی حجت ہے۔ حجت ہی نہیں بلکہ متصل (جس میں تابعی صحابی سے روایت کرے اور صحابی قال رسول اللہ ﷺ وغیرہ کہے) پر بھی مقدم ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ تابعی رسول اللہ ﷺ کا نام لے گا تو ساری ذمہ داری تابعی پر عائد ہو گی۔ اس لیے جب تک اس کو پوری تسلی نہیں ہو گی رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لے سکتا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مفتری ٹھہرے۔ بر عکس اس کے جب صحابی کا نام لے گا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح روایت کیا ہے۔ تو اس صورت میں تابعی نے صحابی پر ساری ذمہ داری ڈال دی۔ اور جب ذمہ داری دوسرے پر ہوتی ہے تو انسان کو اتنا فکر نہیں ہوتا۔ بلکہ بے پرواہی سے نقل کر دیتا ہے اس لیے مرسل تو کجا مقطوع بھی صرف حجت ہی نہیں بلکہ متصل پر مقدم ہے۔ ملاحظہ ہو نور الانوار بیان اقسام السنہ ص 185

حنفیہ نے جو کچھ دلیل دی ہے بظاہر تو بڑی آراستہ پیراستہ ہے۔ مگر جب واقعات اس کے خلاف پائے گئے اور بہت تابعین کو دیکھا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور درمیانی واسطے کمزور ہوتے ہیں۔ جیسے زہری تابعیؒ وغیرہ کے حالات سے معلوم ہوا تو پھر حنیفہ کی قیاسی دلیل یہاں کیا کر سکتی ہے۔ اور حنفیہ کا یہ ایک اصول نہیں بلکہ اکثر اسی طرح رائے قیاس کے تابع ہوتے ہیں۔ جیسے یہ اصول کہ غیر فقیہ صحابی مثلاً انکے نزدیک ابوہریرہ اور انس کی حدیث اگر قیاس کے خلاف ہو تو قیاس کو ترجیح ہو گی۔ اور ایک حدیث کو دوسری حدیث پر کثرت راویوں سے ترجیح نہیں ہو گی۔ اسی طرح کتاب اللہ کے عام حکم کی یا حدیث مشہور کی تخصیص خبر واحد سے نہیں ہو سکتی۔ خواہ بخاری مسلم کی ہو وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس طرح رائے قیاس سے اصول وضع کر کے احادیث کو رد کرتے ہیں۔ اور امام کے مذہب کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور ان کا نام اصول اجتہاد رکھتے ہیں۔ ایسے اصولوں کو مہارت حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ فن حدیث سے کمزوری کی علامت ہے۔ خاص کر جب کہ ایسے اصول وضع کرنے والوں کا زمانہ بھی سلفؒ سے بہت دور ہو۔ تو ایسی حالت میں ان کے اصولوں سے حدیث کی جان پہچان کس طرح ہو سکتی ہے۔ بلکہ صحت وضعف، حجیت، عدم حجیت کا معیار محدثین کے اصول ہیں۔ جو واقعات پر مبنی ہیں خاص کر امام علی بن مدینیؒ، امام یحییٰ بن سعیدؒ وغیرہ ان کے اصول اصل اصول ہیں۔ اور انہی کے اصولوں سے احادیث کے صحت وضعف حجیت عدم حجیت کی پڑتال ہو گی۔ اور ان کا احادیث کے صحت وضعف پر حکم لگانا سب پر مقدم ہو گا۔ بلکہ مقدمہ ابن الصلاح میں تو لکھا ہے کہ صحت وضعف کا حکم انہی ائمہ حدیث کا معتبر ہے۔ اس وقت کا اعتبار نہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح کی اصل عبارت یہ ہے :

''اذاوجدنافیمانروی من اجزاء الحدیث وغیرہاحدیثا صحیح الاسنادولم نجدہ فی احدا لصحیحین ولامنصوصاعلی صحتہ فی شئی من مصنفات ائمۃ الحدیث المعتمدۃ المشہورۃ فانالانتجرء علی جزم الحکم بصحتہ فقد تعذرفی ہذہ الاعصارالاستقلال بادراک الصحیح بمجرداعتبارالاسانیدلانہ مامن اسنادمن ذالک الاوتجدفی رجالہ من اعتمدفی روایتہ علی مافی کتابہ عریاعمایشترط فی الصحیح من الحفظ والضبط والاتقان فالأمراذافی معرفۃ الصحیح والحسن الی الاعتماد علی مانص علیہ ائمۃ الحدیث فی تصانیفہم المعتمدۃ المشہورۃ التی یومن فیہالشہرتہامن التغییر دالتحریف وصار معظم المقصودبمایتداول من الاسانیدخاجاً عن ذالک المہم سلسلۃ الاسنادالتی خصت بہاہذہ الامۃ زادہااللہ شرفا اٰمین۔،،

(مقدمہ ابن الصلاح ص 76) یعنی جن کتب حدیث کے اجزاء کی ہم روایت کرتے ہیں ان میں اگرکسی حدیث کی اسناد ہم صحیح مانیں اور صحیحین سے کسی میں وہ حدیث نہ ہواورنہ کتب متدادلہ معتبرہ مشہورہ میں اس کی صحت کی تصریح ہو توہم صرف اسناد صحیح پاکر حدیث کی صحت کا حکم لگانے پر دلیری نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان اسانید سے ہرایک اسناد میں ایسے راوی ہیں جن کی روایت پراس کتاب کے موافق اعتماد کرلیا گیا ہے۔ جو شرائط صحت حفظ ضبط اتقان سے خالی ہے۔ پس اب دارومدار صحت اور حسن کا ائمہ حدیث کی تصریحات پر ہوا۔ جو ان کی تصانیف معتبرہ مشہورہ میں پائی جاتی ہیں۔ جو بوجہ شہرت تفسیر وتحریف سے محفوظ ہیں۔ اوراسانید متدوالہ کا اہم مقصد صحت وضعف سے بے تعلق ہوکر صرف یہ ٹھہرا کر سلسلہ اسناد جس کے ساتھ اس امت کو خاص کیا گیا ہے قائم رکھا جائے خدائے تعالیٰ اس امت کو شرف میں اورزیادہ کرے۔ ابن الصلاحؒ سنہ 643ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ جب اس وقت یہ حالت تھی تواب اس میں بھی معاملہ نازک ہے۔ پس مشہورائمہ حدیث کی طرف ہمیں زیادہ احتیاجی ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ جتنا قرب کا زمانہ ہوگا اورجتنا کوئی فن حدیث میں پیش پیش ہوگا اتنا ہی صحت وضعف اورجرح وتعدیل کے متعلق اس کا قول اول نمبر ہوگا۔ نہ رائے قیاس والوں کا اس میں دخل ہے نہ اصحاب ستہ کی اس میں تخصیص ہے۔ رائے قیاس والوں کوداخل کرنا افراط ہے اوراصحاب ستہ کی تخصیص تفریط ہے۔ افراط تفریط سے بچنا چاہیے اور متوسط راستہ اختیارکرنا چاہیے۔ اگراصحاب ستہ کا کسی حدیث کے صحت وضعف میں اختلاف ہوجائے تووہاں فیصلہ کی یہی صورت ہے کہ جرح تعدیل پرمقدم کے اصول پر فیصلہ یہی توراستہ ہے جوافراط وتفریط سے خالی ہے۔ پس اس کی پابندی چاہیے۔

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ اہلحدیث

کتاب الایمان، مذاہب، ج1ص141